ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW

CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol.03 No.01 (2025)

ALI ABKAR NATIQ AND HIS CONTEMPORARY FICTION WRITERS

علی اکبر ناطق اور ہم عصر افسانہ نگار

Waseem Arshad
Assistant Lecturer, Department of Urdu, Lahore Garrison University, Lahore
Shahram Arshad
PhD Urdu Scholar, Lahore Garrison University, Lahore
Dr. Najma Sardar
PhD Urdu, Lahore Garrison University, Lahore
Dr. Muhammad Naeem
PhD Urdu, Lahore Garrison University, Lahore
Sadia Sanaullah
MPhil Urdu, Lahore Leads University, Lahore

Abstract:

Ali Akbar Natiq is a prominent Urdu short story writer and literary figure who has left a significant impact on Urdu literature. He is considered one of the writers who skillfully depicted social issues and human psychology in his works. His stories are known for their realism, exploration of social suffering, and the deep psychological complexity of characters. Among his contemporary writers, there are several authors who, like Natiq, gained a unique position in the genre of Urdu short stories. This period marked an important transformation in Urdu literature, as writers began to move away from traditional storytelling and focused on modern themes. During this time, short story writers incorporated social, political, and mental conditions into their works, shedding light on the inner complexities of human beings. The creations of Ali Akbar Natiq and his contemporary writers gave Urdu literature a new direction. Their stories not only took readers on a journey through the world of fiction but also reflected social realities and human emotions. Their work remains an integral part of literature and continues to hold a lasting place in the history of Urdu literature.

Keywords:

Ali Akbar Natiq is a prominent Urdu short story writer, social issues and human psychology, Contemporary writers, shift in Urdu literature, Natiq and his contemporaries' works brought new direction to Urdu literature, Their literary contributions remain significant.

افسانہ نگاری میں علی اکبر ناطق ایک اہم نام ہیں۔ جنھوں نے اپنے افسانوی جادو کے ذریعے اردو ادب میں اپنی شناخت بنائی ہے۔ ذیل میں " علی اکبر ناطق اور ہم افسانہ نگاروں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

نیئر مسعود:

نیئر مسعود ۱۶ نومبر ۱۹۳۶ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے، نامور تحقیق مسعود حسن رضوی ادیب کے صاحبزادے ہیں۔ ان کی والدہ بھی شاعرہ تھیں، ان کی بیوی صبیحہ، مرزا ادیب کے خانوادے سے تعلق رکھتی ہیں۔ نیئر مسعود نے لکھنؤ یونیورسٹی سے ۱۹۵۷ء میں ایم اے اردو اور پی ایچ ڈی کی ڈگری ۱۹۶۶ء میں حاصل کی، اس سے ایک برس پہلے الہ آباد یونیورسٹی سے ڈی فل کا علمی اعزاز پایا۔ ۱۹۶۵ء میں تین ماہ تک اسلامیہ کالج بریلی میں پڑھایا اور پھر لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبہ فارسی سے وابستہ ہو گئے جہاں کئی

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

برس صدر شعبہ رہے۔ ۱۹۹۷ء میں یہاں سے ریٹائرڈ ہوئے۔ ''رجب علی بیگ سرور''، ''مرثیہ خوانی کا فن''، شفا الدولہ سر گزشت''، ''یگانہ احوال و آثار''، ''دولہا صاحب عروج''، سوتا جاگتا''، ''اور کلیم نباتات''، ''کافکا کے افسانے''، اور بزم انیس'' ان کی معروف تصانیف ہیں، افسانوں کے دو مجموعے (تراجم) انگریزی میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

ان کے افسانوی مجموعوں میں ''سیمیا'' ۱۹۸۴ء میں ادبستان لکھنؤ چھپا جس میں کل پانچ افسانے شامل ہیں۔

''عطر کافور'' ان کا دوسرا افسانوی مجموعہ ہے جو ۱۹۹۰ء میں ''آج'' کراچی سے چھپا۔ تیسرا افسانوی مجموعہ ''طاؤس چمن کی مینا'' ہے۔ یہ کتاب بھی ''آج'' کراچی سے مئی ۱۹۹۷ء میں چھپی اس میں کل دس افسانے شامل ہیں۔ ان کا ایک اور افسانہ ''مسکینوں کا احاطہ'' آج کراچی، شمارہ ۴۶ اکتوبر ۲۰۰۴ء میں چھپا۔

نیئر مسعود عام طور پر واحد متکلم کے صیغے میں افسانے لکھتے ہیں ان کا یہ واحد متکلم کے صیغے میں کہانی لکھنا ایک سطح پر ان کے اپنے وجود کا مثنیٰ ہے۔ نیئر مسعود کو اوائل عمری سے ہی کتابوں سے شغف رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں ایک گہری سنجیدگی اور ایک عالمانہ رنگ پایا جاتا ہے۔ وہ افسانہ لکھتے ہوئے بعض اوقات مشکل اصطلاحات اور لفظیات سے کام لیتے ہیں۔ ان سے وہ اپنی عالمانہ شخصیت کا لوہا نہیں منوانا چاہتے بلکہ یہ ان کی شخصیت کا حصہ ہے جب نیئر صاحب کے افسانوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو سب سے پہلا تاثر حقیقت نگاری کا ابھرتا ہے۔ ان کے افسانے واقعاتی رنگ لیے ہوئے حقیقت نگاری کی سطح تک جا پہنچتے ہیں۔ مگر اس سے بڑھ کر دلچسپ امر یہ ہے کہ ان کی کہانیاں علامیت کا گہرہ رنگ لیے ہوئے ہیں، نیئر مسعود کے افسانے عالمیت اور واقعیت کے درمیان جھولتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں، وہ شاید علامت کی پیچیدگیوں کو پوری طرح نبھانے کی ہمت نہیں رکھتے، یہی وجہ ہے کہ وہ جلد واقعیت کی طرف لوٹ آتے ہیں، ہم ان کے افسانوں کو پوری طرح علامتی افسانے بھی قرار نہیں دے سکتے۔ ان کے افسانوں میں علامت سادہ اور سامنے کی ہوتی ہے۔ وہ علامت کے سہارے واقعہ بیان کرنے کے قائل نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر سہیل احمد خان اس طرز تحریر کو کافکا کے اثرات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں:

> ''نیئر مسعود نے زیادہ اثرات ایڈ گر ایلن پو اور کافکا نے قبول کیے ہیں، کافکا کی بعض کہانیوں کے تراجم پر ان کی کتاب ''کافکا کے افسانے'' بھی شائع ہو چکی ہے''۔ 1

وارث علوی صاحب بھی اپنے ایک مضمون ''اجتہادات، روایت کی روشنی میں'' میں نیئر مسعود کو کافکا کے طرز بیان پر کہانی لکھنے والے واحد اور بہترین کہانی کار قرار دیتے ہیں۔ کافکا ''جوہر کی سچائیوں'' کا متلاشی لکھاری ہے اور وہ یہ کام روزمرہ کے واقعات سے لیتا ہے، نیئر مسعود بھی واقعات کو علامت کی سطح پر بیان کرتے ہیں۔

نیئر مسعود کے افسانوں میں وجود اور عدم کی طیش یا یوں کہیں کہ موضوعات ملتے ہیں۔ وہ معلوم کو نامعلوم اور موجود کو لاموجود بنانے کی دھن میں رہتے ہیں، یہ جو کچھ دکھائی دیتا ہے کیا یہی حقیقت ہے؟ وجود اور عدم کی حد کیا کہیں ملتی ہے؟ مکان سے لامکان کا کیا تعلق ہے؟ نیئر مسعود کا افسانوی شعور اور ان افسانوں سے الجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فنا یا موت کا احساس ان کا مرکزی تخلیقی تجربہ ہے، وہ وجود و عدم کی اس بحث سے کنارے بیٹھے لوگوں کے لیے تجسس پیدا کر دیتے ہیں، اس کی سب عمدہ مثال عطر کافور ہے:

> ''یہ ممکن نہیں کہ کافور باقی رہے اور اس کی خوشبو اڑ جائے، یہ البتہ ممکن ہے کہ کافور اڑ چکا ہو مگر اس کی خوشبو باقی ہو...... اس ویرانی میں کچھ دکھائی دینا اب صرف عطر کافور سونگھنے پر موقوف ہے''۔ 2

نیئر مسعود کا افسانہ اپنے اندر مکمل تہذیبی زندگی لیے ہوئے ہے، ایسا کبھی ممکن نہیں ہوتا کہ آپ کسی ہرے بھرے کھیت کا ذکر کریں یا چراگاہوں میں چرتی بھیڑوں کا اور آپ کا ذہن اس ماحول، اس کلچر کی طرف نہ جائے جس کے یہ مناظر ہیں۔ نیئر مسعود چاہے واقعاتی رنگ میں بات کریں یا علامتی انداز میں، ان کی تحریروں میں مکمل تہذیبی فضا جھلکتی ہے:

> ''اس کے ہاں افسانہ زندگی کے وسیع و عریض علاقے سے ایک قطع کی صورت الگ ہوتا ہے، اپنے سارے تہذیبی رنگوں، تحیر اور اسرار کے ساتھ، جو متن میں پوری طرح رچا بسا ہوتا ہے۔ ایسی فضا رومان پرستوں کے ہاں ممکن تھی نہ ترقی پسندوں کے ہاں''۔ 3

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

نیئر مسعود نے گھریلو زندگی کا گہرا مشاہدہ کیا اور اس کو بڑی خوبصورتی سے اپنے افسانے کا موضوع بنایا، ان کے کردار پہلی نظر میں تو کسی ڈرامائی دنیا کے معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو وہ خالص انسانی کردار تخلیق کرتے ہیں۔ ان کے کرداروں میں کچھ نہ کچھ خاص ضرور ہوتا ہے کہ وہ کردار ہمیں مدتوں یاد رہ جاتے ہیں۔ ڈاکٹر عبداللہ چوہدری ان کی افسانہ نگاری پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''نیئر مسعود کے افسانوں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کے مختلف افسانے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں......نیئر مسعود کی کہانیاں بیانیہ انداز کی ہوتی ہیں لیکن کسی کسی افسانے میں طلسماتی رنگ بھی نظر آتا ہے لیکن انداز بیان اتنا دلچسپ ہوتا ہے کہ افسانے کو آگے پڑھنے کا تجسس بر قرار رہتا ہے''۔4

مجموعی طور پر نیئر مسعود نے طویل افسانے لکھے مگر یہ افسانے اپنے اندر فکر و فن کی تمام خوبیاں لیے ہوئے ہیں۔

آصف فرخی:

آصف فرخی نوجوان افسانہ نگار، نقاد اور مدیر جنہوں نے علمی اور ادبی حلقوں میں نمایاں مقام حاصل کیا، ۱۹۵۹ء میں کراچی میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کراچی سے حاصل کی، اردو کے نامور محقق اور نقاد ڈاکٹر محمد اسلم فرخی کے صاحبزادے ہیں۔ کراچی میں ایم بی بی ایس کیا اور ڈاکٹر محمد آصف فرخی ہوگئے، بوسٹن امریکہ سے پبلک ہیلتھ میں ماسٹرز کیا، نوجوان افسانہ نگاروں کے لیے جمیلہ ہاشمی کا قائم کردہ سردار اویسی میموریل ایوارڈ حاصل کیا۔ سات افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں، انگریزی، جرمن، ہندی، پنجابی اور سندھی سے تراجم کرتے ہیں۔ ۱۹۹۷ء میں اکادمی ادبیات کی جانب سے قائم کردہ ایوارڈ بھی حاصل کیا جو پاکستان کے انگریزی لکھنے والے ادیبوں کو دیا جاتا ہے۔ ''دنیازاد'' کے نام سے ایک بے حد دقیع ادبی جریدہ نکالتے ہیں اور اس ادارے کے تحت کئی کتابیں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

آصف فرخی کے افسانوی مجموعوں میں پہلا مجموعہ ''آتش فشاں پر کھلے گلاب'' ۱۹۸۲ء میں طارق پبلی کیشنز، کراچی سے چھپا، دوسرا مجموعہ ''اسم اعظم کی تلاش'' ۱۹۸۴ء احسن مطبوعات کراچی سے جبکہ تیسرا مجموعی بھی احسن مطبوعات کراچی سے ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا اس مجموعہ کا نام ''چیزیں اور لوگ'' ہے۔ آصف فرخی کا چوتھا مجموعہ ''شہر بیتی'' ہے جو ۱۹۹۵ء میں مکتبہ دانیال، کراچی سے چھپا۔ ''میں شاخ سے کیوں ٹوٹا؟'' پانچواں مجموعہ ہے جو فضلی سنز کراچی سے شائع ہوا، ان کا ایک اور افسانوی مجموعہ ''ایک آدمی کی کمی ہے'' جسے س پبلی کیشنز کراچی نے جولائی ۱۹۹۹ء میں شائع کیا اس میں کل چھ افسانے شامل ہیں۔ ان کا تازہ ترین مجموعہ ''دن گزر رہے ہیں'' اسی سال شہرزاد کراچی سے شائع ہوا ہے۔

آصف فرخی کے والد اسلم فرخی محقق، نقاد اور ایک صوفی منش ادیب کے طور پر جانے جاتے ہیں، آصف فرخی کا ایک نمایاں پہلو ان کی تہذیبی شخصیت ہے اور یہی تہذیبی شخصیت ان کے افسانوں میں پوری طرح جھلکتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے بغاوت کا رویہ بھی اپنایا ہے، ان کا یہ باغیانہ پن ان کے گہرے مطالعے کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ مطالعہ کرنے کا شوق ان کو آباؤ اجداد سے منتقل ہوا، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنا پہلا مجموعہ اپنے دادا کے نام معنون کیا۔ آصف فرخی مغربی ادب سے کافی متاثر نظر آتے ہیں۔ وہ مغربی افسانوں کا ترجمہ بھی کرتے ہیں۔ آصف فرخی کے افسانوں میں مغربی طرز ادا جھلکتی ہے، انہوں نے تکنیک اور اسلوب کی سطح پر بھی تجربات کیے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کے افسانوں میں داستانوی اسلوب خصوصاً انتظار حسین کے علامتی اسلوب کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں مگر یہ مناسبت صرف اسلوب کی سطح پر ہی ہے، وہ اپنے موقف اور منشاء میں ان سے بالکل مختلف ہیں۔ اس اسلوب کا نمائندہ افسانوی مجموعہ ''آتش فشاں پر گلاب کھلے'' ہے، ان کے دوسرے افسانوی مجموعے ''اسم اعظم کی تلاش'' پر اساطیری رنگ غالب ہے۔ چیزیں اور لوگ میں آصف فرخی کا نفسیاتی اور فنی شعور اسے محمد حسن عسکری اور ممتاز شیریں کی تخلیق کاری سے اٹھا کر ان کے ہم زاد کے درجے تک پہنچا دیتا ہے اور یوں وہ ان کے بعض معروف کہانیوں کے معنوی توسیع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ان کی کتاب ''شہر بیتی'' مجموعی طور پر کراچی شہر کے پس منظر میں دہشت گردی اور بھتہ خوری جیسے مسائل پر روشنی ڈالتی ہے۔ یہ ایک طرح کی ستم ظریفی کا نوحہ ہے، پانچویں مجموعے میں ان کا تخلیقی محرک پیشہ وارانہ دنیا کو ایک نئے تخلیق تجربے سے ہم آہنگ کرتا ہے، آصف فرخی کی نسبتاً کم معروف کتاب ''ایک آدمی کی کمی'' سندھ میں رہنے والے مختلف قبائل کی نسلی اور لسانی آویزش و امتیاز پر روشنی ڈالتی ہے۔

آصف فرخی نے اپنے افسانوں میں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے جابجا علامت سے کام لیا ہے۔ ان کے اس سلسلے کا ایک خوبصورت افسانہ ''کھجلی'' ہے، ان کے اس افسانے پر بات کرتے ہوئے ڈاکٹر آغا سلمان باقر کہتے ہیں:

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

> ”افسانہ ”کھجلی“ انسان کے داخلی کرب کی اذیت کو پورے معاشرے پر علامتی طور پر منعکس کرتا ہے، یہ انعکاس اس اپنی علامتی معنویت کے اعتبار سے دورخ رکھتا ہے یعنی علامت کا بیرونی رخ پورے معاشرے کو کسی نہ کسی حوالے سے معذوری کے تناظر میں دیکھتا ہے اور جب یہ رخ داخلی سفر کرتا ہے تو یہی احساس معذوری اپنی ذات میں بھی نظر آنے لگتا ہے“۔5

محمد حمید شاہد آصف فرخی کے افسانوں کے حوالے سے بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”کہانی کے عین آغاز ہی میں وہ تجسس رکھ دیا کرتا ہے، جملے کو یوں لکھ کر جیسے کہ اس میں کوئی بھید امنڈنے والا ہے اور یہ ایسا وصف ہے جو اس کی تہذیبی خوشبو میں رچی بسی نثر سے قاری کو وابستہ کرتا ہے“۔6

آصف فرخی کے بیشتر افسانے کراچی شہر کا تہذیبی پس منظر رکھتے ہیں مگر اس شہر کے مختلف حوالوں سے لکھتے ہوئے ہر بار جملوں میں رواں معنی کی رفتار اور جمالیاتی ترسیل کا آہنگ بدل جاتا ہے۔

وہ میری آج کی موت تھی، میں نے اس کو مرا ہوا نہیں دیکھا، مرتے ہوئے دیکھا، اتنا ہی بتا سکتا ہوں جس قدر میں نے دیکھا، جو یوں بھی کچھ زیادہ نہیں ہے۔

سمیع آہو جا:

سمیع ثناء اللہ آہو جا ۸ دسمبر ۱۹۳۶ء کو راولپنڈی میں پیدا ہوئے، والد کا نام حبیب اللہ شیخ تھا، ابتدائی تعلیم جامعہ ملیہ دہلی سے پائی جبکہ انٹرمیڈیٹ گارڈن کالج راولپنڈی سے کیا، انہوں نے انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی، بیروت ٹیکنیکل کالج سے پیشہ وارانہ تعلیم پائی، ایس ایس جمالی کے نام سے وہ ادبی حلقوں سے متعارف ہوئے، اپنے مارکسی نقطہ نظر کی علمی یا رومانوی تعبیر کی تلاش میں ان کا لبنان اور فلسطین میں بعض انقلابی گروپوں سے بھی رابطہ ہوا جس کے نتیجے میں انہیں ایران میں ساواک کے ہاتھوں بے پناہ اذیت اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ آج کل لاہور میں مقیم ہیں اور ڈیفنس کالونی میں اقامت گاہ ہے۔

اب تک ان کے چار افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں، ”جہنم میں“ ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ہے جو ۱۹۸۲ء میں چترکار، لاہور سے شائع ہوا، ”قید در قید“ ۲۰۰۲ء میں ملٹی میڈیا افیئرز لاہور ملے شائع ہوا۔ تیسرا افسانوی مجموعہ ”طلسم دہشت“ ۲۰۰۲ء میں سامنے آیا جو ملٹی میڈیا افیئرز، لاہور ہی سے چھپا۔ ان کا چوتھا افسانوی مجموعہ ”ٹڈی دل آسماں“ بھی اس مکتبہ سے سن ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا۔

سمیع آہو جا کے افسانوں کا عام موضوع سامراجی طاقتوں کے زیر اثر آئے ہوئے دنیا کے ممالک ہیں وہ سامراجی اور استعماری قوتوں کی بات کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں گولہ بارود، ٹینک، تشدد اور کوڑے ایسے لفظ امیجز کی صورت بار بار ڈھلتے ہیں۔ سمیع آہو جا کے بیروت، دمشق، آبادان اور افقھان میں بیٹھ کر لکھے گئے افسانے تاثر اور موضوع میں لاہور اور ملتان میں لکھے گئے افسانوں سے کم نہیں ہیں، سمیع آہو جا نے دوسرے افسانہ نگاروں کی طرح جنگ وجدل اور ظلم وزیادتی کے خلاف ہنگامی ادب تخلیق نہیں کیا بلکہ انہوں نے ان تمام موضوعات کو پورے تخلیقی تجربے کے ساتھ پیش کیا ہے:

> ”دنیا کے سارے تنخواہ دار فوجی سانسوں کے پیراہن چاک کرنے کی ہوس میں ڈھالے جاتے ہیں“۔7

> ”سسکیاں لیتے ملزم کا سر ڈیسک پر دباتے ہی فرد جرم بھی عائد ہو گئی، ملزم پچھلے مجرم کی سزا دیکھ کر رو دیا تھا اور اب تک روتے چلا جاتا ہے، بائیں یعنی خلق خدا کو ہم سے متنفر کرنے کا حربہ“؟8

سمیع آہو جا کو ایسی تحریریں لکھنے کے غرض سے عملی طور پر انڈرورلڈ اور تنظیموں کے ساتھ رابطے کا جنون بھی ہو گیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ ایک بار پکڑے بھی گئے اور کڑی سزا پائی۔ سمیع آہو جا کو ان موضوعات کے ساتھ ساتھ بلھے شاہ اور شاہ حسین جیسے ملامتیہ فرقے کے عظیم انقلابیوں سے جذباتی طور پر وابستگی ہے۔ وہ لسانی تشکیلات کے حق میں بھی آواز اٹھاتے ہیں۔ اسلوب کی سطح پر ان کے افسانے اس قدر شاعرانہ اسلوب کے حامل ہیں کہ ان کے افسانے میکانکی ہونے کے بجائے اختصار اور اجمال کے اوصاف سے معمور ہیں۔ انہوں نے اپنے عہد کے سیاسی، سماجی اور اخلاقی منظر نامے کی ان گنت تفصیلات کو سمیٹا ہے، اسی حوالے سے بات کرتے ہوئے ڈاکٹر سعادت سعید کہتے ہیں:

> ”سمیع آہوجا کے اولین افسانوی مجموعے ”جہنم میں“ مواداتی اور اسلوبیاتی فیبرک کو چھوتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اجتماعی، سیاسی اور سماجی ماحول کو تانے بانے سے بنا ہوا ہے، اس مجموعے کا خالق ماحول اور اپنے وجود کے مابین کشمکش کو ایک مبصر کی حیثیت سے دیکھنے کی بجائے شریک کار کی حیثیت سے دیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے تخلیقی پہلو سے آشنا بھی ہے اور اس کے افسانے اپنے عہد کا پہلو دار رنگا رنگ پوٹریٹ ترتیب دیتے نظر آتے ہیں“۔9

اسد محمد خان:

اسد محمد خان وسط بند کے علاقے مالوہ کی ریاست بھوپال میں ۶ ستمبر ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے، ان کے والد میاں عزت محمد خان علاقے کے ہائیر سیکنڈری سکول میں مصوری کی تعلیم دیا کرتے تھے، والدہ منورہ بیگم مرزا غالب کے شاگرد نواب یار محمد خان شوکت کی پوتی تھیں۔ اس طرح اسد محمد خان ننھیال کی طرف سے نواب خاندان اور ددھیال کی طرف سے پٹھانوں کے آفریدی قبیلے کی ذیلی شاخ مبرائی خیل سے تعلق رکھتے تھے۔ اسد محمد خان نے شاہجہانی ماڈل سکول بھوپال سے میٹرک کیا، انٹرم میں عملی سیاست میں حصہ لینے لگے، کمیونسٹ پارٹی بنائی، گرفتار بھی ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں پاکستان آگئے، کراچی میں انٹر آرٹس میں داخلہ لیا لیکن امتحان نہ دے سکے۔ ایل ایل بی میں بھی ایک سال پڑھا، روزنامہ ”احسان“ لاہور کے لیے کارٹون اسکیچ بنائے، اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر بھی رہے، کے پی ٹی میں بحیثیت کلرک بھرتی ہوئے اور ریٹائرمنٹ (۱۹۹۲ء) تک یہیں کام کرتے رہے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران ریڈیو نیوز ریڈر بھی رہے، دو شادیاں کیں، اسد محمد خان کی اولین ادبی تحریر دو تصوراتی خاکے تھے، اس وقت وہ میٹرک کے طالب علم تھے اور یہ دونوں نثری خاکے سکول میگزین میں شائع ہوئے۔ ۱۹۶۰ء میں انہوں نے شاعری شروع کی، ”نو منزلہ بلڈنگ“ ان کی پہلی مطبوعہ نظم ہے، ان کا پہلا مجموعہ ”کھڑکی بھر آسمان“ ان کی نظموں اور افسانوں دونوں پر مشتمل ہے، اسد محمد خان نے تراجم بھی کیے ہیں، شاعری کے علاوہ موسیقی میں بھی خاص شغف رکھتے تھے، انہوں نے وارث شاہ کے ۳۹ سروں میں سے گیارہ پر گیت لکھے ہیں:

اسد محمد خان کے اب تک چار افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں، ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ”کھڑکی بھر آسمان“ ۱۹۸۰ء میں اسی فورٹین کراچی سے شائع ہوا۔ ”برج خموشاں“ ان کا دوسرا افسانوی مجموعہ ہے جو ۱۹۹۱ء میں این حسن پریس کراچی سے چھپا، تیسرا مجموعہ ”غصے کی نئی فصل“ آج کراچی سے چھپا۔ ”نریدا اور دوسری کہانیاں“ ان کا آخری افسانوی مجموعہ ہے جو سٹی پریس بک شاپ سے ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا۔

اسد محمد خان کے افسانوں کا پس منظر عام طور پر تاریخ اور ماضی کی دھند میں لپٹا ہوا ہوتا ہے، وہ تاریخ کو یوں اپنے افسانوں میں ڈھالتے ہیں کہ وہ موجود زندگی کی عکاس معلوم ہوتی ہے، ان کے اکثر افسانے دیہاتی زندگی سے متعلق ہوتے ہیں، دیہاتی پس منظر میں خاندانی زندگی کا بیان ان کا پسندیدہ موضوع ہے، ان کے افسانوں پر بات کرتے ہوئے محمد حمید شاہد کہتے ہیں:

> ”گزر چکے وقت سے وہ کردار اٹھاتا ہے اور انہیں اپنی صاف نتھری ہوئی مگر تخلیقی زبان سے کاغذ پر اجال دیتا ہے“۔10

اسد محمد خان افسانے میں تکنیک اور اسلوب کے مروجہ نظام سے شاید وہ مطمئن نہیں ہیں یا وہ بنے ہوئے سانچوں کو اپنے تخلیقی اظہار کے لیے ناکافی خیال کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ تکنیک اور اسلوب کی نئی نئی جہتیں دریافت کرتے ہیں، ان کی تکنیک کی ایک مثال ٹکڑوں میں کہانی کہنا ہے۔

> ”ٹکڑوں میں کہانی کہنے کا اسلوب بھی اس کے ہاں انفرادیت کا باعث ہوا ہے“۔11

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اسد محمد خان کے افسانوں کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ تاریخ کو پس منظر کے طور پر لاتے ہیں اور اس میں ایک ایسا فطرت کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے تو دوسری طرف اہل دنیا کی بوس پرستی پر روشنی ڈالتا ہے، ان کا اس طرح سے افسانہ کہنے کا انداز اردو ادب میں اس سے پہلے قراۃ العین حیدر کے ہاں ملتا ہے۔

اسد محمد خان کو پاکستان بھر میں بولی جانیوالی زبانوں کا گہرا شعور ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے کرداروں کے لہجے خالصتاً اصلی کرداروں کے لہجے ہیں، اسد محمد خان ان کرداروں کے بیان میں ڈرامائی عنصر پیدا کر دیتے ہیں، اس قسم کے افسانوں میں ان کا افسانہ ”گھڑی بھر کی رفاقت“ ایک خوبصورت مثال ہے جس میں انہوں نے معنویت کو تاریخ کے پردے پر پھیلا کر ایک ڈرامائی منظر تشکیل دیا ہے، ان کے افسانوں کو کامیاب بنانے میں ان کی کردار سازی، فضا سازی اور مکالمہ طرازی کا بھی گہرا عمل دخل ہے۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

ان کے نمائندہ افسانوں "ترلوچن" کا نام سر فہرست آتا ہے، کراچی کی جھگیوں، کچی آبادی کے تخلیقی ملاوے کے لیے ایک مثالی خیال طرازی کے ساتھ ساتھ زندگی سے ماورائے زندگی کا تسلسل بیان کرنے والا یہ ایک خوبصورت افسانہ ہے۔ جس موضوع پر یہ افسانہ لکھا گیا، ایسے موضوع پر لکھتے ہوئے عموماً افسانہ نگار ہچکچاہٹ کا شکار ہو جاتے ہیں، دنیاوی دکھ اور مصیبتیں اور محبت کا ماوراتی واسطہ اس افسانے کا مرکزی خیال ہے۔ڈاکٹر آغا سلمان باقر اس افسانے پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"افسانے کا تخلیقی افق نہایت کشادہ وسیع، ہمہ گیر اور آفاقیت لیے ہوئے ہے، عنوان کے انتخاب سے لے کر تخلیقی فضا تک کو ایک افسانے کے ذریعے ثابت کیا گیا ہے، اسے یقینا عظیم الشان تخلیقی جوہر قرار دیا جا سکتا ہے"۔12

محمد حمید شاہد:

محمد حمید شاہد ۲۳ مارچ ۱۹۵۷ء کو پنڈی گھیپ، ضلع اٹک میں پیدا ہوئے، والد کا نام غلام محمد اور والدہ کا نام بخت بی بی ہے، ابتدائی تعلیم آبائی شہر میں پائی، میٹرک بھی پنڈی گھیپ سے کیا، زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں زیر تعلیم رہے، پھر لاہور میں قانون کی تعلیم پائی، عملی زندگی میں ایک بینکار کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ جنڈ، فتح جنگ، چکوال، کھوڑہ اور مری سے ہوتے ہوئے اسلام آباد پہنچے اور اب وہی مقیم ہیں، ان کی پہلی کتاب "پیکر جمیل" ہے جو سیرۃ النبیؐ سے متعلق ہے۔ دیگر نمایاں کتب میں "ادبی تنازعات"، "اشفاق احمد"، "شخصیت اور فن"، "الف سے اٹکھیلیاں" اور "سمندر اور سمندر" (تراجم) شامل ہیں۔

ان کے افسانوی مجموعوں میں "بند آنکھوں سے پرے" پہلا مجموعہ ہے جو ۱۹۹۴ء میں الحمد پبلی کیشنز لاہور سے شائع ہوا، ان کا دوسرا مجموعہ "جنم جہنم" ۱۹۹۸ء میں استعارہ، اسلام آباد سے چھپا۔ "مرگ زار" مارچ ۲۰۰۴ء میں سامنے آیا جو اکادمی بازیافت، کراچی سے چھپا۔

محمد حمید شاہد ان افسانہ نگاروں میں سے ہیں جنہوں نے نہ صرف معاصر ادبی تحریکوں اور رجحانات کا بغور مطالعہ کیا بلکہ انہوں نے افسانہ نگاری کی پوری روایت کو اپنے اندر جذب کر لیا، ان کے افسانوں کا فکری پہلو ان کو ایک عالم اور مفسر حیات کے طور پر پیش کرتا ہے۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان کو مذہب کے ساتھ گہری عقیدت ہے، انہوں نے اپنے والد کے کتب خانے میں موجود مولانا مودودیؒ کی کتب کا مطالعہ کیا، افسانوی روایت سے پوری طرح واقف ہونے اور اس پر بے شمار مضامین لکھنے کے ساتھ ساتھ جدید ادب میں بھی اتنی ہی دلچسپی لی، انہوں نے عالمی ادب سے بہت سے تراجم بھی کیے اور تنقید بھی لکھی۔

ان کے افسانوں کی ایک بڑی خوبی بیانیہ انداز تحریر ہے، انہوں نے علامت اور تمثیل کا سہارا لے کر بیانیہ کو روایتی اسلوب سے جدا کر دیا ہے، ان کا یہ خاص انداز تحریر بعض اوقات ان کے افسانے کو نثری نظم کے قریب لے جاتا ہے جو ان کی ایک الگ پہچان کراتا ہے۔ حمید شاہد لکھتے ہیں:

"جب وہ سارے کا سارا پگھل چکا ہے تو میں اسے اپنے بازوئوں میں سمیٹ لیتی ہوں اور وہاں بوسہ دیتی ہوں جہاں تھوتھنی برآمد ہوا کرتی تھی۔ وہ میرے بھیگے بوسے سے کھل اٹھتا ہے، اس کی نظر بھڑکتے شعلوں پر پڑتی ہے تو وہ بڑبڑاتا ہے، "یہ تم نے کیا کیا؟" 13

محمد حمید شاہد جلد ہی یہ اسلوب اور انداز بیان بھی ترک کر دیتے ہیں اور مرگ زار میں افسانے کا نظم بنانے کے ہیجان سے نکل آتے ہیں، اسی مجموعہ کے دو افسانوں کی اہم بات یہ ہے کہ یہ افسانے پہلے پنجابی میں لکھے گئے اور بعد میں اردو میں ترجمہ ہوئے مگر یہ ترجمہ اتنا خوبصورت ہے کہ معلوم ہوتا ہے افسانے اردو ہی میں تحلیل ہوئے ہیں، محمد حمید شاہد اپنی افسانہ نگاری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اردو افسانے سے مجھے جو ربط خاص ہے، اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ میں اپنے تخلیقی وجود کو اس باکمال صنف سے ہم آہنگ پاتا ہوں"۔14

محمد حمید شاہد کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ اردو افسانہ کے تقریباً ہر نقاد نے ان کو سراہا ہے اور ان کی افسانہ نگاری پر کھل کر بات کی ہے، ممتاز مفتی نے آزاد نظم کی صورت "بند آنکھوں سے پرے" کے افسانوں کو داد و تحسین دی ہے۔ احمد ندیم قاسمی "بند آنکھوں سے پرے" کے حوالے سے بات کرتے ہوئے ان افسانوں کو سچی اور کھری زندگی کا ترجمان قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر اسلم فرخی "جنم جہنم" پر اپنی رائے پیش کرتے ہوئے اس کتاب کو شاعری سے قریب ترین خیال کرتے ہیں۔ اظہر سلیم لکھتے ہیں:

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR

CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

> ”دراصل محمد حمید شاہد وہ بے باک اور معنی آفرین شاعر ہے جو زندگی کی سفاکیوں کو زیادہ قریب سے نمایاں کرنے اور بہ انداز شعر بیان کرنے کی خاطر افسانے کی محفل میں دوڑتا چلا آیا ہے۔ اس نے اپنی شاعرانہ سرشت سے افسانے میں حقیقت پسندانہ انداز کے ساتھ شعریت کو سمو کر ایسی روایت کی تخلیق کی ہے جس کی اساس صداقت اور ہمہ رنگ انسانی جذبہ ہے“۔15

پروفیسر فتح محمد ملک ان کو گہرا تاریخی شعور رکھنے والا ایک جیتا جاگتا دینی احساس کا حامل افسانہ نگار قرار دیتے ہیں جبکہ ڈاکٹر محمد امین انہیں سچا افسانہ نگار قرار دیتے ہیں۔ڈاکٹر ستیہ پال آنند ان کے افسانوں کو نثری نظم سے تعبیر کرتے ہیں۔منشایاد ان کے افسانوی مجموعے بند آنکھوں سے پرے کے حوالے سے لکھتے ہوئے ان کے افسانوں کو سچائی اور خلوص سے بھرپور کہانیاں قرار دیتے ہیں۔اظہر سلیم رقمطراز ہیں:

> ”یہ کہانیاں سچ کی کوکھ سے پھوٹی ہیں اور سچے انسانی جذبوں کو خلوص اور سچائی سے پیش کرتی ہیں اور اس امر کی گواہی دیتی ہیں کہ انہیں لکھنے والا ہر رنگ کی کہانی اور کہانی کے ہر رنگ کو اپنی گرفت میں لینے پر قدرت رکھتا ہے“۔16

خالد فتح محمد:

خالد فتح محمد ۱۹ اپریل ۱۹۴۹ء کو گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے، ان کے والد کا نام محمد یعقوب تھا، ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں قلعہ جے سنگھ سے حاصل کی، میٹرک سی بی ہائی سکول، راولپنڈی اور ایف اے گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ سے پاس کیا۔بی اے میں زیر تعلیم تھے کہ ۱۹۶۹ء میں فوج میں چلے گئے، فوج کی ملازمت کے دوران ایک جنگ میں زخمی بھی ہوئے، ۱۹۹۲ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد لکھنا شروع کیا۔

ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ”داغ داغ اجالا“ ۲۰۰۳ء میں ایم پبلی کیشنز گوجرانوالہ سے شائع ہوا۔”جمع تقسیم“ ان کا دوسرا مجموعہ ہے جو ۲۰۰۴ء میں اسی ادارے سے چھپا۔ان کا تیسرا افسانوی مجموعہ ”پانچ منٹ کی زندگی“ ادراک پبلی کیشنز گوجرانوالہ سے ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا۔

خالد فتح محمد کا شمار ان افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے کہ جو بہت جلد شہرت کی بلندیوں تک جا پہنچے ہیں، ان کے بہت جلد فنی مقام حاصل کر لینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے پختہ عمر میں افسانہ نگاری کا آغاز کیا، دوسرا یہ کہ ان کا تعلق ایک طرف زرعی سماج سے تھا تو دوسری طرف ان کے ہاں عسکری زندگی کے بھرپور تجربات تھے، ان تمام مشاہدات و تجربات کو انہوں نے پوری خوبصورتی کے ساتھ افسانوں کا حصہ بنایا ہے۔خالد محمد فتح وسیع المطالعہ شخص ہیں، انہوں نے اپنے مطالعے اور جدید اسالیب سے اثر پذیری حاصل کر کے ایک نیا اور منفرد اسلوب وضع کیا ہے، ان کے اکثر افسانوں کا پس منظر دیہاتی ہے بلکہ دیہاتی سے بڑھ کر نیم جاگیرداری اور نیم قبائلی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے مکالمے پنجابی رنگ لیے ہوئے ہیں اور ان میں کرداروں کے لہجے کا کھوکھلا پن صاف جھلکتا ہے، یہ اپنی نوعیت کا ایسا بیان بن جاتا ہے جو افسانے کی فضا کو فطری بنا کر تاثر کو گہرا کر دیتا ہے۔خالد فتح محمد لکھتے ہیں:

> ”شادی سے پہلے فردوس کے لہجے میں آگ برس رہی ہوتی ہے، کچھ لوگ تھے جو میرے لیے آتے تھے جن کے پاس میں جانا چاہتی تھی، مجھے کوئی روک نہیں سکا......تم نے میری وفاداری پر شک کیا، اپنی اردو بیٹیوں کو ناجائز سمجھا، حالانکہ ان کے باپ تم ہو۔اگر وہ ناجائز ہیں تو پھر تم بھی حرامی ہو......ہم اپنے جوتر گڑ گڑ کر تمہیں دیتی ہیں تاکہ تم شراب پی سکو، اپنے جسم کے حصے کو تیل سے چوپڑ سکو“۔17

بعض اوقات خالد فتح محمد افسانہ لکھتے ہوئے اس قدر شاعرانہ وسائل کا استعمال کرتے ہیں کہ وہ افسانہ نگار بڑھ کر نظم نگار معلوم ہونے لگتے ہیں، اس کی ایک خوبصورت مثال ان کا افسانہ ”موم کا پہاڑ“ ہے۔خالد فتح محمد کے افسانہ کا اقتباس دیکھیے:

> ”میرے لیے اب فصلیں اتنی اہم نہیں ہیں......ماں کی موت نے مجھے بہت سے انجانے دروازوں سے گزار دیا ہے۔ان میں سے ایک پھولوں اور خوشبوؤں سے بنا ہے۔فصلوں کی اہمیت کو کم نہ کرو......میری ہستی کو تھوڑا اور بڑھا دو، زبیدہ نے پگھل کر بہہ نکلنے سے پیشتر سلگتی آگ کو شعلہ بننے سے روکا“۔18

خالد فتح محمد کے افسانوں میں عورت اور مرد کا تعلق خالصتاً زرعی پس منظر میں بیان ہوا ہے، اگر ہم ان زرعی پس منظر رکھنے والا افسانہ نگار اور ان کی کتاب جمع تقسیم کو اس طرز کی نمائندہ کتاب قرار دیں تو غلط نہ ہو گا۔

شمس الرحمن فاروقی:

شمس الرحمن فاروقی، ۳۰ ستمبر ۱۹۴۳ء کو پرتاب گڑھ (بھارت) میں پیدا ہوئے۔

۱۹۵۸ء میں ہندوستانی سول سروس میں شمولیت اختیار کی، ۱۹۹۴ء میں پوسٹ آفس سے بورڈ ممبر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے، جامعہ ملیہ دہلی میں خان عبدالغفار خان میموریل چیئر کے لیے پروفیسر کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیں۔ ۱۹۹۱ء سے یونیورسٹی آف پنسلوینیا فلاڈلفیا سے بطور ایڈجنکٹ پروفیسر وابستہ رہے۔ ۱۹۶۶ء میں الہ آباد سے ماہنامہ "شب خون" جاری کیا جو جولائی ۲۰۰۵ء تک جاری رہا، انہوں نے قلمی ماہنامہ "گلستان" بھی نکالا جس کا پیٹ بھرنے کے لیے انہوں نے شاعری کے ساتھ ساتھ افسانہ نگاری بھی کی۔ شمس الرحمن فاروقی کے بقول ان کا پہلا افسانہ ۱۹۴۸ء۔۴۹ میں شائع ہوا۔ "افسانے کا عنوان اور رسالے کا نام یاد نہیں"۔ ۵۰ میں ایک ناولٹ "دلدل سے باہر" جو ۱۹۵۱ء میں رسالہ معیار میرٹھ کے چار شماروں میں بالاقساط شائع ہوا، ۱۹۵۳ء کے بعد افسانہ نگاری بالکل ترک کر دی۔ ۱۹۶۶ء میں جب "شب خون" جاری کیا تو اس میں مختلف قلمی ناموں سے افسانے لکھے۔ ان کا افسانوی مجموعہ "سوار اور دوسرے افسانے"، "شب خون"، اور "آج" میں شائع ہونے والے انہی افسانوں پر مشتمل ہے۔ شمس الرحمن کا واحد افسانوی مجموعہ سوار اور دوسرے افسانے ۲۰۰۱ء میں کتابی صورت میں آج پبلی کیشنز کراچی سے شائع ہوا۔ اس مجموعے میں کل پانچ افسانے شامل ہیں:

۱۔ غالب افسانہ

۲۔ سوار

۳۔ ان صحبتوں میں آخر......

۴۔ آفتاب زمین

۵۔ لاہور کا ایک واقعہ

شمس الرحمن فاروقی نے افسانوں کی ایک ہی کتاب لکھی مگر اس ایک کتاب نے ان کو تنقید، لسانیات اور اس کے ساتھ ساتھ ایک خوبصورت اور تاریخی افسانہ نگار کے طور پر ابھارا۔ شمس الرحمن فاروقی کے اس مجموعے میں کل پانچ افسانے شامل ہیں مگر ان پانچ افسانوں نے ہی اردو ادب میں افسانہ نگاری کی ایک نئی تکنیک اور اسلوب متعارف کروایا۔ اردو میں تاریخی افسانہ نگاروں کی روایت کافی پرانی ہے۔

قراۃ العین حیدر، عزیز احمد، جمیلہ ہاشمی، اسد محمد خان اور زادہ حنا وغیرہ نے تاریخ سے مختلف معنی اخذ کر کے اردو افسانے کو ایک نئی جہت عطا کی مگر اردو افسانے میں تاریخی کرداروں کو جس طرح شمس الرحمن فاروقی نے پیش کیا اس کی مثال نہیں ملتی، انہوں نے متنوع شخصیات کو پوری باطنی سچائیوں اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ جس طرح بیان کیا، ہندوستان کی پوری مغلیہ تہذیب اپنے مکمل خدوخال کے ساتھ واضح دکھائی دیتی ہے اگرچہ بعض کہانی میں ڈاکومنٹری اور ریڈیائی تمثیل کے ہونے کا احساس غالب آجاتا ہے مگر اس کے باوجود یہ افسانے کامیاب ہیں۔

افسانوں کی زبان اور اسلوب بیان بھی وہی اختیار کیا گیا ہے جو اس عہد میں موجود تھا، اس سلسلے میں شمس الرحمن فاروقی نے بے شمار لغات کا مطالعہ کیا ہے اور شعوری طور پر ایسی زبان اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں یہ زبان قاری کو اس تہذیب میں پہنچا دیتی ہے وہی پر کبھی کبھی قاری لفظیات میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ شمس الرحمن فاروقی بعض اوقات ادبی بحث ومباحثے اور لغت کے مسائل کو چھیڑنے میں بالکل نہیں ہچکچاتے اور بے تکان بولتے چلے جاتے ہیں، یہ بات بھی سچ ہے کہ وہ جہاں تاریخی حقائق جاننے کی کوشش کرتے ہیں وہیں پر انہوں نے تخیل پر بھی بھروسہ کیا ہے اور اپنی تخیل سے ایسی فضا بنائی ہے جس میں قاری بارہا گم ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر انوار احمد انہیں منفرد افسانے قرار دیتے ہیں:

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

"مگر یہ امر واقعی ہے کہ یہ منفرد افسانے ہیں، یہ دنیائے افسانہ میں محمد حسین آزاد کی "آب حیات" اور فرحت اللہ بیگ کے مضامین کا جواب بھی ہیں اور تخیلی توسیع بھی"۔19

شمس الرحمن فاروقی نے اپنی تنقیدی کتاب "افسانے کی حمایت میں" افسانے کی تنقید کے حوالے سے جن باتوں کا ذکر کیا تھا وہ ان کے افسانوں میں پوری طرح موجود ہیں، انہوں نے ان افسانوں پر عام رائے جاننے کے لیے پہلے انہیں رسائل میں فرضی نام کے ساتھ شائع کیا اور بعد میں کتابی صورت میں چھاپا۔ محمد حمید شاہد ان کے افسانوں پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"ساری جزئیات کے ساتھ لکھنے کا فاروقی کے ہاں بہت دلکش قرینہ ملتا ہے، اسی سے اس کے ہاں ایک حیرت کا ہیولا بنتا ہے جو اس کی نثر میں جادو سا جگا دیتا ہے"۔20

مبین مرزا:

مبین مرزا جنوری ۱۹۶۵ء میں ملتان میں پیدا ہوئے، کا خانوادہ قیام پاکستان کے بعد دہلی سے ملتان آکر آباد ہوا تھا، مبین مرزا نے یہیں سے گریجوایشن کیا تھا پھر پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کے لیے لاہور گئے مگر شاید طالب علموں کی سیاست میں گرم جوش شرکت کے باعث ایم اے نہ کرسکے اور کراچی میں منتقل ہوگئے۔ وہاں جامعہ کراچی سے سیاسیات میں ایم اے کیا، اب "مکالمہ" کے نام سے نہ صرف ایک معیاری ادبی جریدہ نکالتے ہیں بلکہ اکادمی بازیافت کے ادارے کے تحت علمی وادبی کتب کی اشاعت کا ایک قابل قدر سلسلہ بھی جاری کیے ہوئے ہیں جہاں سے اب تک متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اکادمی ادبیات پاکستان، پاکستانی ادب کے دو ایسے انتخاب شائع کر چکا ہے جو انہوں نے مرتب کیے، الحمد پبلشنگ اسلام آباد نے ان کی مرتب کی ہوئی ایک کتاب "اردو کے بہترین شخصی خاکے" چار جلدوں میں شائع کی۔ اس انتخاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں مشفق خواجہ مرحوم کی راہنمائی اور اعانت حاصل تھی۔ ان کا واحد افسانوی مجموعہ "خوف کے آسمان تلے" دسمبر ۲۰۰۴ء میں اکادمی بازیافت، کراچی سے شائع ہوا جس میں کل گیارہ افسانے شامل ہیں۔

مبین مرزا کے افسانے عام طور پر کراچی شہر کا پس منظر رکھتے ہیں، مذہب، نسل اور سیاست کی بنیاد پر ہونے والے فسادات جنہوں نے کراچی شہر کو جہنم مثال بنا دیا ہے ان کے افسانوں کا عام موضوع قرار پاتے ہیں۔ وہ حکمران طبقے کی بالادستیاں، مظالم اور جھوٹ بھری دنیا کی عکاسی بڑی خوبصورتی سے کرتے ہیں۔ انہوں نے مختلف سیاسی پارٹیوں خصوصاً کراچی میں ایم کیو ایم کو بے نقاب کیا، اس پیچیدہ اور مبہم صورت حال کو مبین مرزا نے اپنے تین افسانوں "خوف کے آسمان تلے"، "سفید پردہ اور دام وحشت میں بڑی جرات کے ساتھ پیش کیا ہے:

"ان کا ذہن ووٹ کی یاددہانی والے لڑکوں میں الجھا ہوا تھا...... اس شہر کے باسی تو یرغمال بنا لیے گئے ہیں، مختلف سیاسی گروپوں نے شہر کے مختلف حصوں پر قبضہ جمایا ہوا ہے، سب......ہم سب قیدی ہیں یہاں"۔21

ہمارے ملک میں جہاں بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں یا کر دیئے جاتے ہیں وہاں ایک مسئلہ دہشت گردی کا بھی ہے، دہشت گرد آئے روز پبلک مقامات پر خودکش دھماکے کرنے کے ساتھ ساتھ مساجد اور عبادت گاہوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ عبادت گاہوں میں ان کا دھماکے کرنا اگرچہ عبادت گاہوں کو ویران نہیں کر سکا مگر عبادت کرنے والوں کو ضرور ویران کر گیا ہے، وہ ہر وقت خوف اور دہشت میں گھرے رہتے ہیں، مبین مرزا کا افسانہ "دام وحشت" اس حوالے سے ایک موثر افسانہ ہے۔ "بے خواب پلکوں پر ٹھہری رات" بھی اس موضوع پر لکھی گئی ایک خوبصورت تحریر ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد ان کے افسانوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"مبین مرزا کے پاس مشاہدہ، مطالعہ، ادبی تربیت اور تخلیقی اظہار کی صلاحیت ہے مگر اس دنیا میں انہیں کیا کہنا ہے یہ نہیں بلکہ یہ جاننا ہو گا کہ کیا کچھ نہیں کہنا"۔22

محمد حمید شاہد ان کی افسانہ نگاری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اس نے اپنے افسانوں میں جمی جمائی تہذیبی بنیادوں کو کھود ڈالنے اور الگ پہچان قرار پانے والے سارے فکری نشانات مٹاڈالنے کے مترادف رویوں کو گرفت میں لے لینے کی کوشش کی ہے......اس کی کہانیوں کا مطالعہ بناتا ہے کہ اجتماعی زندگی کے بدن سے خارج ہوتی تہذیبی روح، انسان کو غیر تخلیقی بنادے گی یا پھر مکمل تباہی سے دوچار کردے گی"۔23

حسن منظر:

حسن منظر ۱۹۳۴ء میں ہاپڑ، اترپردیش میں پیدا ہوئے، تقسیم کے بعد کراچی، اندرون سندھ، لاہور اور پھر گاسکو اور ایڈنبرا میں تعلیم اور ملازمت کے غرض سے رہے، ان کا پہلا افسانوی مجموعہ "رہائی" ۱۹۸۱ء میں آیا۔ پھر "ندیری"، "انسان کا دیش"، "سوئی بھوگ" اور "ایک اور آدمی" جیسے افسانوی مجموعے منظرِ عام پر آئے۔

حسن منظر خوبصورت افسانہ نگار ہونے کے باجود ان افسانہ نگاروں کی صف میں آتے ہیں جن پر بہت کم لکھا گیا، ان کی کتابوں پر جو تبصرے ہوئے عموماً وہ بھی انگریزی زبان میں ہوئے، ان پر اگرچہ کم لکھا گیا مگر بالکل نظر انداز بھی نہیں ہوئے اور کچھ اہم نقادوں نے ان کی طرف توجہ دی ہے، ان پر کم لکھے جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ملازمت اور تعلیم کے سلسلے میں مختلف ممالک میں مقیم رہے جس کی وجہ سے وہ ادبی منظر نامے سے ہٹے رہے۔

ان کے افسانے جہاں کچھ ایسی خصوصیات کے حامل ہی جو انہی کا طرئہ امتیاز ہیں، جہاں ایک خصوصیت اپنے ہم عصر افسانہ نگاروں کے مقابلے میں منظر نامے کا پھیلائو ہے، ان کے افسانوں میں کراچی شہر میں آباد مختلف قوموں اور سندھ کے ہندو گھرانے کی کہانیوں سے لے کر افریقہ کے مناظر تک بڑی گہری سماجی واقعیت نگاری ملتی ہے۔ ان کی واقعیت نگاری گہری، انسانی ہمدردی کے طور پر ابھرتی ہے۔ اردو افسانہ میں اسد محمد خان کے بعد حسن منظر ایسے افسانہ نگار ہیں جن کے افسانوں میں زبان کی سطح پر سندھ میں بسنے والے خاندانوں کے مقامی الفاظ کا استعمال بڑی تعداد میں ملتا اور ان کی مکالمہ نگاری میں مختلف قبائل کا لہجہ جھلکتا ہے۔

واقعات کی نگاری تقریباً افسانہ نگار کے ہاں ہوتی ہے مگر حسن منظر واقعات نگاری سے اپنا امتیاز قائم کرتے ہیں، وہ تجربے سے زیادہ واقعات پر بھروسہ کر کے اپنے تخلیقی عمل کی تکمیل کرتے ہیں۔ رقمطراز ہیں:

"ڈاکٹر سہیل احمد ان کے اس انداز تحریر کو مظہریاتی قرار دیتے ہیں اور اس حوالے اے منٹو کو بھی بڑا فینو مینو لوجسٹ مانتے ہیں"24

انسانی ہمدردی کے تحت، منٹو ایک ایسا افسانہ نگار ہے جو اپنے تجزیاتی انداز میں سفاکانہ بے تعلقی تک پہنچ جاتا ہے، حسن منظر اگرچہ ان کی طرح معروضیت اختیار نہیں کرتے اس لیے ان کے ہاں جذبے کا گداز عیاں ہوتا ہے۔ ان کے کردار اور واقعات مظہریاتی صداقت رکھتے ہیں اور حقیقت کے قریب تر معلوم ہتے ہیں، حسن منظر کے ہاں واقعات بنے بنائے موجود ہوتے ہیں۔ انہیں واقعات کی تلاش میں اپنی فکر کے گھوڑے نہیں دوڑانا پڑتے بلکہ بس ان کو بیان کرنا ہوتا ہے۔

ڈاکٹر سہیل احمد خان ان کے انٹرویو کا ایک ٹکڑا اپنے مضمون میں نقل کرتے ہیں:

"کبھی کبھی مجھے افسانوں کے متعلق حکم نامے بھی ملا کرتے ہیں"۔25

حسن منظر واقعات کو دیکھ کر نہیں بلکہ واقعات کو محسوس کر کے کہانی کا حصہ بناتے ہیں، وہ واردات کو جھیلتے ہیں، انسان کا دیش میں شامل حسن منظر کے افسانے واقعات کے تانے بانے کو بار بار ایسے مظاہر میں بدل دیتے ہیں جن سے اضطراب کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ ان کے افسانوں میں عورتوں اور بچوں کے کرداروں سے واقفیت کی ایک ہم جہت پیدا ہوتی ہے، حسن منظر، منظر کشی بھی انتہائی خوبصورت کرتے ہیں رجب کا چاند پورا ہونے کو تیار بیٹھا تھا، بس ایک طرف ایک ٹکر کی کمی رہ گئی تھی، اس پر سے ہو کر گزرنے والے چھدرے بادل کبھی صحن میں اندھیرا کر جاتے تھے کبھی جیسے بتی کھلی چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے تھے۔

ان کی واقعیت میں حساسیت کی گہری سطحیں ہیں جن کا مشاہداتی دائرہ وسیع ہے، ان کا یہ مشاہداتی دائرہ مختلف ممالک کے سفر اختیار کرنے کی وجہ سے بھی ہے۔

محمد حمید شاہد اس بارے میں کہتے ہیں:

......"یوں اسے زندگی کا جو تجربہ حاصل ہوا اور جو کچھ اس کے مشاہدے میں آیا، اس سے اس کے ہاں موضوعات کا تنوع، منظر میں وسعت اور ہر قبیل کے کردار آتے چلے گئے"۔26

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

نیلم احمد بشیر:

نیلم احمد بشیر نثر نگار، ناول نگار، سفر نامہ نگار، کالم نگار، محقق اور نقاد ہیں۔ نیلم، احمد بشیر کی صاحبزادی ہیں، ان کی تحریروں کا نمایاں وصف فن کی پختگی ہے۔ ان کی تحریریں سادہ، مختصر اور عام فہم ہیں، وہ اپنے افسانوں میں زندگی کے حقائق بیان کرتی ہیں۔

ان کے پانچ افسانوی مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں:

۱۔ گلابوں والی گلی

۲۔ جگنوئوں کے قافلے

۳۔ لے سانس بھی آہستہ

۴۔ ایک تھی ملکہ

۵۔ وحشت ہی سہی

ان کے ہاں موضوعات کا تنوع پایا جاتا ہے، نیلم احمد بشیر کے ہاں ہمیں بے باکانہ اسلوب دکھائی دیتا ہے، وہ جدید عورت اور اس کے مسائل کو اپنے افسانوں میں ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں۔ ان کے ہاں چیزوں کو اس طرح بیان کرنے کی کوشش نظر آتی ہے کہ معاشرے میں موجود مذہبی قدغنوں کو اپنے افسانے میں تنقید کا نشانہ بناتی ہیں۔ جہاں تک ان کے انداز بیان کا تعلق ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ حقیقت نگار ہیں اور معاشرتی حقیقت نگاری کرتی ہیں۔

ہم نیلم احمد بشیر کو ایک ایسی افسانہ نگار کے طور پر یاد رکھ سکتے ہیں جنھوں نے بعض نازک موضوع پر لکھا ہے اور زندگی کے ان پہلوئوں کو اپنے افسانے کا موضوع بنایا ہے جس کو موضوع بنانے میں بعض لوگ گریز کر رہے ہیں، جیسے فرد کی زندگی جنسی زندگی ہے، مرد اور عورت کے باہمی تعلقات ہیں، ان ساری باتوں پر ہمیں ان کا بیان زیادہ وضاحتی دکھائی دیتا ہے۔

مرد اور عورت کے حوالے سے ان کا ایک افسانہ ''عام سی لڑکی'' ہے، اس کا مرکزی کردار ''فارس'' ہے، اس افسانے کا یہ اقتباس دیکھئے:

> ''مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا کس شان سے ٹرا رہی تھی، وہ جی چاہا پوچھوں وہ کون قسمت کا مارا ہے جس کے ساتھ آپ بندھنا پسند فرما رہی ہیں لیکن میں نے کہا دفع کرو ہو گا کوئی دفتر کا ہزار روپے کا ملازم مجھے کیا''۔27

علی اکبر ناطق:

علی اکبر ناطق کے افسانوں کا مطالعہ کیا جائے تو سب سے پہلا تاثر حقیقت نگاری کا نظر آتا ہے، وہ واقعات کو بڑی خوبصورتی سے بیان کرتے ہوئے حقیقت نگاری تک پہنچ جاتے ہیں، ہمیں علی اکبر ناطق کے ہاں علامیت کا رنگ بھی دکھائی دیتا ہے جس کی خوبصورت مثال افسانہ ''نسلیں'' ہے، جس میں ناطق ایک پاگل انسان کو جنرل ضیاء الحق کے بارے میں بدگمان دکھاتے ہیں:

> ''آج میں نے وہاں جی بھر کر گند پھینکا اور بہت زیادہ پھینکا، میرا جی خوش ہو گیا میرا خیال ہے، میرا خدا بھی خوش ہو گا۔ اگر نہ بھی ہوا تو کوئی بات نہیں، وہ کون سا ہر ایک پر خوش رہتا ہے، مجھے تو ایسا لگتا ہے خدا سب کے ساتھ ایک جیسا ہی سلوک کرتا ہے، اسے اچھے برے کی پہچان ہی نہیں، اس کے فرشتے رشوت لے کر بک چکے ہیں، رشوت تو ہر جگہ چلتی ہے، اس لیے اچھے اعمال بروں کے حصے میں آتے ہیں اور کالے عمل اچھوں کے پلڑے میں داخل ہو جاتے ہیں، اللہ کا ترازو ٹیڑھا ہو گیا ہے، ہر چیز خراب ہو گئی ہے لیکن کوئی بات نہیں میں ہار ماننے والا نہیں، مجھے یقین ہے، میں اس کام میں چھٹی نہ کروں تو ایک دن کامیاب ہو جاؤں گا''۔28

علی اکبر ناطق نے دیہی زندگی کے موضوعات کو اپنے مشاہدے کے رنگ سے رنگا ہے، دیہاتی پس منظر میں خاندانی زندگی کو بیان کرتے ہیں۔ تاریخی اور ماضی کے موضوعات پر لکھنے کی وجہ سے علی اکبر ناطق اسد محمد خان کے ہم پلہ دکھائی دیتے ہیں، کیونکہ علی اکبر ناطق سے پہلے تاریخی شعور ہمیں اسد محمد خان کے افسانوں میں دکھائی

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

دیتا ہے۔ تاریخی شعور پر بہت افسانہ نگاروں نے لکھا ہے۔ علی اکبر ناطق کے افسانوں کا جائزہ لیا گیا ہے جس میں علی اکبر ناطق قاری کو مکمل طور پر اپنے سحر میں جکڑ کر تحریر کی حد تک محدود کر دیتے ہیں، وہ اپنے افسانوں میں حالات وواقعات کے ساتھ بہت خوبصورتی سے منظر نگاری کرتے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ پڑھنے والا کبھی تحریر سے بھٹکتا نہیں ہے اور یہ علی اکبر ناطق کے افسانوں کی نمایاں خوبی ہے۔ علی اکبر ناطق نے آسان اور سادہ لفظیات کا استعمال اپنے افسانوں میں کیا ہے، مشکل لفظوں سے پرہیز کرتے نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ سہیل احمد خان، مجموعہ سہیل احمد خان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2009، ص434

2۔ نیئر مسعود، عطر کافور، مکتبہ آج، کراچی، 1990، ص115، 114

3۔ محمد حمید شاہد، اردو فکشن۔۔نئے مباحث، مثال پبلی کیشنز، فیصل آباد، 2016، ص213

4۔ عبداللہ چوہدری، ڈاکٹر، اتر پردیش میں اردو افسانہ، آفیسٹ پریس، گورکھ پور، 1992، ص56

5۔ آغا سلمان باقر، پاکستانی کہانیوں کے افسانوں کا مطالعہ اور تنقیدی جائزہ، استقلال پریس، لاہور، 2004، ص44

6۔ محمد حمید شاہد، اردو افسانہ صورت و معنیٰ، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، 2018، ص11

7۔ سمیع آہوجا، جہنم میں لاہور، چترکار، لاہور، 1983، ص47

8۔ سمیع آہوجا، جہنم میں لاہور، چترکار، لاہور، 1983، ص141، 140

9۔ سعادت سعید، ڈاکٹر، جہت نمائی، دستاویز مطبوعات، لاہور، 1995، ص53

10۔ محمد حمید شاہد، اردو افسانہ صورت و معنیٰ، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، 2018، ص143

11۔ حمید شاہد، اردو افسانہ صورت و معنیٰ، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، 2018، ص144

12۔ آغا سلمان باقر، پاکستانی کہانیوں کے افسانوں کا مطالعہ اور تنقیدی جائزہ، استقلال پریس، لاہور، 2004، ص47

13۔ محمد حمید شاہد، جنم جہنم، استعارہ، اسلام آباد، 1998، ص34

14۔ محمد حمید شاہد، اردو افسانہ صورت و معنیٰ، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، 2018، ص11

15۔ اظہر سلیم مجوکہ، (مرتبہ) محمد حمید شاہد کی تخلیقی جہات، بیکن بک گلگشت، ملتان، 2002، ص34

16۔ اظہر سلیم مجوکہ، (مرتبہ) محمد حمید شاہد کی تخلیقی جہات، بیکن بک گلگشت، ملتان، 2002، ص34

17۔ خالد فتح محمد، داغ داغ اجالا، ایم پبلی کیشنز، گوجرانوالہ، 2003، ص50

18۔ خالد فتح محمد، داغ داغ اجالا، ایم پبلی کیشنز، گوجرانوالہ، 2003، ص17

19۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ تحقیق و تنقید، بیکن بکس گلگشت، ملتان، 2007، ص799

20۔ محمد حمید شاہد، اردو افسانہ صورت و معنیٰ، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، 2018، ص214

21۔ مبین مرزا، خوف کے آسمان تلے، اکادمی بازیافت، کراچی، 2004، ص67

22۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ تحقیق و تنقید، بیکن بکس گلگشت، ملتان، 2007، ص895

23۔ محمد حمید شاہد، اردو افسانہ صورت و معنیٰ، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، 2018، ص190

24۔ سہیل احمد خان، مجموعہ سہیل احمد خان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2009، ص429

25۔ سہیل احمد خان، مجموعہ سہیل احمد خان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2009، ص 429

26۔ محمد حمید شاہد، اردو افسانہ صورت و معنیٰ، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، 2018، ص 134

27۔ نیلم احمد، "گلابوں والی گلی" دیباچہ از فتح محمد ملک، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1990، ص 54

28۔ علی اکبر ناطق، شاہ محمد کا ٹانگہ، سانجھ پبلی کیشنز، لاہور، 2017، ص 75، 74

References:

Ahmad, N. (1990). *Gulabon Wali Gali* (F. M. Malik, Preface). Sang-e-Meel Publications.

Ahuja, S. (1983). *Jahannum Mein Lahore*. Chitrakar.

Ahuja, S. (1983). *Jahannum Mein Lahore*. Chitrakar.

Baqar, A. S. (2004). *Pakistani Kahaniyon Ke Afsanon Ka Mutala Aur Tanqeedi Jaiza*. Istiqlal Press.

Baqar, A. S. (2004). *Pakistani Kahaniyon Ke Afsanon Ka Mutala Aur Tanqeedi Jaiza*. Istiqlal Press.

Chaudhary, A. (1992). *Uttar Pradesh Main Urdu Afsana*. Offset Press.

Javed, J. I., Munawer, M., Ahsan, S., Ali, M. S., Qadir, M. H., Raheed, M., Mumtaz, S., & Arshad, W. (2023). Allama Iqbal and Maulana Abul Kalam Azad's thoughts and ideas about the existence and survival of the Islamic state: In the context of literary aspects. *PalArch's Journal of Archaeology of Egypt/Egyptology*, *20*(2), 1239-1250. Retrieved from https://www.researchgate.net/publication/384326781

Jawaid, A. (2014). Benchmarking in TESOL: A study of the Malaysia Education Blueprint 2013. *English Language Teaching*, *7*(8), 23-38. Canadian Center of Science and Education. Retrieved from https://files.eric.ed.gov/fulltext/EJ1076002.pdf

Jawaid, A., Batool, M., Arshad, W., Haq, M. I. U., Kaur, P., & Arshad, S. (2025). English language vocabulary building trends in students of higher education institutions: A case of Lahore, Pakistan. *Contemporary Journal of Social Science Review*, *3*(1), 730-737. Retrieved from https://jalt.com.pk/index.php/jalt/article/view/370

Jawaid, A., Batool, M., Arshad, W., Kaur, P., Irum, S., & Haq, M. I. U. (2024). English language pronunciation challenges faced by tertiary students. *Contemporary Journal of Social Science Review*, *2*(4), 2104-2111. Retrieved from https://contemporaryjournal.com/index.php/14/article/view/361

Jawaid, A., Khalil, A., Gohar, S., Kaur, P., Arshad, W., & Mukhtar, J. (2024). English language learning theories and digital technologies of the 21st century: A systemic scenario. *Journal of Applied Linguistics and TESOL*, *7*(4). Retrieved from https://jalt.com.pk/index.php/jalt/article/view/369

Khan, S. A. (2009). *Majmua Sohail Ahmad Khan*. Sang-e-Meel Publications.

Majoka, A. S. (Ed.). (2002). *Muhammad Hamid Shahid Ki Takhliqi Jehats*. Beacon Books.

Majoka, A. S. (Ed.). (2002). *Muhammad Hamid Shahid Ki Takhliqi Jehats*. Beacon Books.

Masood, N. (1990). *Itr-e-Kafoor*. Maktaba Aaj.

Naatiq, A. A. (2017). *Shah Muhammad Ka Tangah*. Sanjh Publications.

Saeed, S. (1995). *Jehat Namai*. Dastavez Publications.

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR

CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol.03 No.01 (2025)

Shahid, M. H. (1998). *Janam Jahannum*. Istiara.
Shahid, M. H. (2016). *Urdu Fiction: Nai Mabahis*. Misal Publications.
Shahid, M. H. (2018). *Urdu Afsana: Soorat-o-Maani*. City Book Point.
Shahid, M. H. (2018). *Urdu Afsana: Soorat-o-Maani*. City Book Point.
Shahid, M. H. (2018). *Urdu Afsana: Soorat-o-Maani*. City Book Point.
Shahid, M. H. (2018). *Urdu Afsana: Soorat-o-Maani*. City Book Point.

وسیم ارشد, ڈاکٹر منزہ منور, and محمد اکرام الحق. "اکیسویں صدی کے اُردو افسانوں میں سماجی شعور." *Jahan-e-Tahqeeq*, vol. 7, no. 2, 2024, pp. 78-85. https://jahan-e-tahqeeq.com/index.php/jahan-e-tahqeeq/article/view/1360.

وسیم ارشد, زوہیب اصغر, and شہرام ارشد. "خالد فتح محمد کے افسانوں کا مجموعی جائزہ." *Jahan-e-Tahqeeq*, vol. 7, no. 2, 2024, pp. 69-77. https://jahan-e-tahqeeq.com/index.php/jahan-e-tahqeeq/article/view/1359.

سعدیہ ثناء اللہ, and وسیم ارشد. "رابعہ الربآ کے افسانوں کا جائزہ." *Harf-o-Sukhan*, vol. 8, no. 2, 2024, pp. 119-128. https://harf-o-sukhan.com/index.php/Harf-o-sukhan/article/view/1314.

اسلم حمید, وسیم ارشد, and شہرام ارشد. "اردو نثری نظم کی روایت... تجزیاتی مطالعہ." *Harf-o-Sukhan*, vol. 8, no. 1, 2024, pp. 282-289. https://harf-o-sukhan.com/index.php/Harf-o-sukhan/article/view/1155.

ڈاکٹر منزہ منور, وسیم ارشد, and محمد اکرام الحق. "علامہ محمد اقبالؒ کا تصورِ خودی۔۔۔ تجزیاتی مطالعہ." *Harf-o-Sukhan*, vol. 8, no. 2, 2024, pp. 144-150. https://www.harf-o-sukhan.com/index.php/Harf-o-sukhan/article/view/1319.